# مقدمہ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن

کا

# تجزیاتی مطالعہ

ضیاء الدین اصلاحی

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہندوستان کے ان علمائے کبار میں ہیں جن کے علمی و دینی، فکری و تحقیقی اور اصلاحی و تجدیدی کارناموں کا غلغلہ پوری دنیا میں مچا ہوا ہے، مولانا شبلی رقم طراز ہیں:

"ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہ رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا، لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ اخیر زمانے میں کہ اسلام کا نفس واپسیں تھا، شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے"[1]

تفسیر، حدیث، فقہ، کلام اور علم اسرار الدین میں ان کی اولیت اور انفرادیت کے جلوے گوناگوں ہیں، ہر علم و فن میں ان کا انداز نظر واضح طور پر اپنے زمانہ سے جدا ہے، ان کی ذہانت، عبقریت اور مجتہدانہ ذوق نے ہر روش اور ہر چمن میں نئے گل بوٹے پیدا کیے ہیں اور علم و ہنر کا ایک تازہ جہاں آباد کیا ہے۔

شاہ صاحب کے گوناگوں کارناموں میں سب سے نمایاں اور ممتاز کارنامہ قرآن مجید اور اس کے علوم و معارف کی ترویج و اشاعت ہے، انہوں نے اپنے عہد کی دفتری و تعلیمی زبان فارسی میں قرآن مجید کے ترجمہ و تحشیہ کا لازوال کارنامہ انجام دیا ہے جس کی بدولت ہندوستان میں قرآن فہمی کا عام چرچا ہوا اور اردو اور دوسری زبانوں میں بھی قرآن مجید اور احادیث نبویؐ کے ترجمے کا دروازہ کھل گیا۔

شاہ صاحب نے قرآن مجید کا جو ترجمہ کیا تھا اس کا ایک دیباچہ بھی تحریر کیا تھا جو ان کے مطبوعہ قرآن کے ساتھ چھپ گیا ہے اس میں متعدد اہم مسائل اور ترجمہ قرآن کے متعلق اصولی باتیں نیز خود اپنے ترجمہ قرآن کے متعلق مفید چیزیں قلم بند کی ہیں۔ ذیل میں اس کا مفصل جائزہ لینے کے بعد الفوز الکبیر اور فتح الخبیر کا بھی اجمالی تعارف کرایا جائے گا اور آخر میں ان کے ترجمہ کا نمونہ بھی زیر بحث آئے گا۔

مقدمہ کی ابتداء ایک تمہید سے ہوتی ہے اس میں خدا کی حمد و ثنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے مدح و منقبت کی ہے۔ شاہ صاحب نے اس میں کئی اہم اور لائق توجہ باتیں ارشاد فرمائی ہیں مثلاً

۱۔ قرآن مجید کو خدائے تعالیٰ نے اپنی رافت تامہ کی بنا پر اپنے بندوں پر نازل فرمایا ہے تاکہ وہ خدا کی مرضی اور ناراضگی سے واقف ہوں، نفس کے مکاید اعمال قبیحہ اور اخلاق رذیلہ کی تاریکیوں سے چھٹکارا حاصل کریں اور حظیرۃ القدس کی راہ پائیں۔

۲۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سعادت دارین سے مطلع فرمایا اور دونوں جہاں کی مصلحتیں بوجہ اتم ہم پر واضح کیں، نہ آپ کے بیان سے واضح تر کوئی بیان ہے اور نہ آپ کی رحمت سے بڑھ کر کوئی رحمت ہے۔

۳۔ نیک بخت ترین وہ ہے جو آپ کی اتباع کرے اور بدبخت ترین وہ ہے جو آپ کی پیروی سے منحرف ہو جائے۔

## دینی کتابوں کی تصنیف کا مقصد مسلمانوں کی خیر خواہی ہے:

مسلمانوں کی باہمی خیر خواہی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اسی خیر خواہی کے نتیجہ میں علمائے دین اور اکابر اہل یقین نے ہر زمان و مکان میں تفسیر، حدیث، عقاید، فقہ اور سلوک میں بے شمار کتابیں لکھیں بعض نے اپنی تصنیفات میں اطناب سے اور بعض نے اختصار سے کام لیا، کچھ لوگوں نے عربی زبان میں علم و فن کے موتی بکھیرے اور کچھ نے عجمی زبان میں کتابیں لکھیں۔

## موجودہ زمانہ میں قرآن مجید کا ترجمہ کرنا مسلمانوں کی خیر خواہی کا اقتضا ہے:

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "ہم لوگ جس زمانہ اور جس ملک میں رہتے ہیں اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی کا اقتضا یہ ہے کہ قرآن عظیم کا ترجمہ فارسی زبان میں ایسا سلیس اور روزمرّہ کے مطابق کیا جائے جو تکلف و تصنع اور عبارت آرائی سے پاک ہو اور اس میں قصوں، حکایات اور مختلف النوع توجیہات سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے تاکہ عوام و خواص اسے یکساں طور پر سمجھ لیں اور چھوٹے بڑے سب ہی اس کا ادراک کر لیں۔ اسی لیے اس اہم اور نازک کام کا داعیہ فقیر کے دل میں پیدا ہوا۔

شاہ صاحب کا یہ بیان اگر اس روشنی میں پڑھا جائے تو اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہوگا کہ ان کے زمانہ میں قرآن مجید کی طرف سے بے توجہی بہت بڑھی ہوئی تھی، لوگ فقہ و معقولات اور کلام و عقائد کی لاحاصل اور پیچیدہ بحثوں میں الجھے ہوئے تھے، اس زمانہ کی علمی و تعلیمی زبان فارسی میں جو ترجمے ہوئے بھی تھے وہ اولاً تو مفقود تھے ثانیاً سلیس، روزمرہ اور محاورہ کے مطابق نہ تھے۔

## شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن کی سرگذشت:

وہ اپنے ترجمہ قرآن کی تالیف کی روداد اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"میں نے پہلے غور و خوض سے چند ترجموں کو دیکھا تاکہ ان میں سے جو ترجمہ میرے مقررہ معیار اور موجودہ دور کے مذاق کے مطابق ہو اس کی ترویج کی فکر و کوشش کی جائے، مگر بعض ترجموں میں تطویل و اطناب تھا اور بعض میں خلل انداز تقصیر و اختصار تھا، کوئی بھی اس معیار کا نہ تھا جو مطلوب تھا اس لیے میں نے ترجمہ کی تالیف کا عزم مصمم کر لیا اور بقرہ و آل عمران کا ترجمہ تیار کر لیا لیکن اس کے بعد حرمین کے سفر پر روانہ ہو گیا جس کی وجہ سے یہ سلسلہ موقوف ہو گیا، چند برس بعد ایک عزیز نے مجھ سے سبقاً سبقاً ترجمہ پڑھنا شروع کیا، اس تقریب سے پھر ترجمہ کی تحریک پیدا ہوئی چنانچہ طے ہوا کہ ان کو جس قدر قرآن کا ترجمہ پڑھاؤں گا اس کے بقدر ترجمہ لکھتا بھی جاؤں گا، اس طرح ابھی ایک تہائی قرآن مجید کا ترجمہ ہوا ہوگا کہ وہ عزیز سفر میں چلے گئے اور ترجمہ کا کام پھر رک گیا۔ ایک مدت کے بعد پھر ایک تقریب پیدا ہو گئی اس کی وجہ سے وہ پرانا خیال عود کر آیا اور دو ثلث تک ترجمہ مکمل ہو گیا، اسی اثنا میں بعض

دوستوں نے مشورہ دیا کہ مسودہ کا مبیضہ تیار کرلیا جائے اور ترجمہ کے ساتھ ہی آیات قرآنی کا متن بھی ضبط تحریر میں لایا جائے تاکہ ایک مستقل نسخہ تیار ہو جائے۔

انہی سعادت مند دوست نے عید الاضحیٰ ۱۱۵۰ھ سے تبییض شروع کی اور جس قدر مسودہ تیار ہو چکا تھا اسے جب وہ صاف کر چکے تو پھر حرکت پیدا ہوئی اور آخیر تک کا مسودہ مکمل ہوگیا۔ اس طرح شعبان کے اوائل میں ترجمہ کی تالیف سے فراغت ہوئی اور اسی سال اوائل رمضان ۱۱۵۱ھ میں اس کی تبییض کا کام بھی پورا ہوگیا۔ اس کے بعد ۱۱۵۶ھ میں برادر دینی عزیز القدر خواجہ محمد امین اکرمہ اللہ تعالیٰ بشہودہ کے اہتمام سے اس کتاب کی ترویج ہوئی اور اس کا درس شروع ہوا اور اس کے متعدد نسخے تیار ہوگئے۔ اور اہل عصر بھی اس کی جانب ملتفت ہوگئے ؎

للہ الحمد کہ آں نقش کہ خاطر می بست — آمد آخر زپس پردۂ تقدیر پدید

## مقدمہ کی اہمیت :

شاہ صاحب کے نزدیک خود بھی اس مقدمہ کی بڑی اہمیت تھی اس لیے وہ ترجمہ قرآن کے مطالعہ سے قبل مقدمہ کا مطالعہ ضروری قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس ترجمہ میں خصوصاً اور فن ترجمہ میں عموماً علی وجہ البصیرت غور و خوض اسی پر موقوف ہے۔

## شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن کی نوعیت :

یہ کتاب فن ترجمہ قرآن کی ہے جس میں نحو و قواعد کی رعایت کرتے ہوئے عربی مضامین و مطالب کو فارسی عبارت میں ادا کیا گیا ہے۔ مفہوم کو مقدم رکھا گیا ہے، محذوف کو ظاہر کیا گیا ہے، الفاظ کی ترتیب میں قرآن کے متن کی پابندی کی گئی ہے، سوائے ان جگہوں کے جہاں دونوں زبانوں کے فرق و اختلاف کی وجہ سے ترتیب کا لحاظ کرنے میں رکاکت اور مفہوم میں تعقید لازم آتی ہو۔ اسباب نزول کے بیان اور مشکلات کی توجیہ پر بقدر ضرورت توجہ دینا ضروری سمجھا گیا ہے۔

## ترجمہ قرآن کے مطالعہ کے لیے شاہ صاحب کی ہدایتیں اور مشورے :

قرآن مجید کا متن اور فارسی کے مختصر رسائل پڑھنے کے بعد جب فارسی زبان بے تکلف سمجھنے

کی استعداد پیدا ہو جائے تو اس ترجمہ کو شروع کرانا چاہیئے خصوصاً سپاہیوں اور پیشہ ور لوگوں کے بچوں کے سن شعور کو پہنچنے کے ساتھ ہی اس کی تعلیم دینی چاہیئے کیونکہ ان سے اس کی امید نہیں کہ وہ علوم کی مکمل تحصیل کریں گے تاکہ ان کے دلوں میں پہلی چیز جو جاگزیں ہو وہ کتاب اللہ کے معانی و مطالب ہوں، اس سے ان کی فطری سلامتی باقی رہے گی اور وہ ملاحدہ کی باتوں کے دلدادہ نہ ہوں گے جو بالکیا زصوفیہ کے خط و خال کو داغدار کرتے ہیں، خام عقلیت پسندوں اور غیر مسلموں کی پست اور بے ہودہ باتوں سے محفوظ رہیں گے اور ان کے افکار و باطل خیالات کی آلودگیوں سے ان کا قلب ملوث نہ ہوگا اور نصف عمر گذر نے کے بعد انہیں توبہ کی توفیق میسر آئے گی۔ اس کتاب کو اگر لوگ یاد کرلیں گے تو انہیں قرآن کی تلاوت میں لطف ملے گا اور جمہور مسلمانوں کو بھی اس سے نفع متوقع ہے۔

بچوں اور مبتدیوں کے لیے اس کا فائدہ ظاہر ہے مگر اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کا زیادہ وقت فکر معاش میں گزرتا ہے، ان لوگوں کو چاہیئے کہ فرصت کے وقت میں حلقہ بنا کر بیٹھیں اور جس شخص کو فارسی عبارت پڑھنے اور سمجھنے کی استعداد ہو اور اسے تھوڑا بہت فن تفسیر کا ذوق ہو یا جس عزیز کی نظر سے یہ ترجمہ گزر چکا ہو، وہ وقت کی گنجائش کے لحاظ سے ایک دو سورہ کا ترجمہ صفائی و روانی اور ترتیل کے ساتھ سمجھ کر پڑھے تاکہ سب لوگ اسے سن کر اس کے مفہوم سے مستفید ہوسکیں۔

حلقہ بنا کر بیٹھنا صحابہ کرام کی مشابہت اختیار کرنا ہے، صحابہ اسی طریقہ سے دائروں اور حلقوں میں بیٹھتے تھے اور ایک آدمی قرأت کرتا تھا فرق صرف اتنا ہے کہ صحابہ کرام عربی زبان سمجھنے کی مکمل صلاحیت رکھتے تھے اور یہ جماعت فارسی ترجمہ کے واسطہ سے اس کو سمجھے گی۔

جس طرح مثنوی مولانا جلال الدین رومی، گلستاں شیخ سعدی، منطق الطیر شیخ فریدالدین عطار، قصص فارابی، نفحات مولانا عبدالرحمان جامی اور اسی طرح کی دوسری کتابوں کو پڑھنے اور سمجھنے کے لیے لوگ مجلسوں میں بیٹھتے ہیں اسی طرح اس ترجمہ کو پڑھنے کے لیے بیٹھیں تاکہ ان کا دل اس کا ادراک کرلے۔ اگر وہ اولیاء اللہ کے کلام سے اشتغال تھا تو یہ کلام اللہ سے اشتغال ہے، اگر وہ حکمائے کے مواعظ تھے تو یہ احکم الحاکمین کے مواعظ ہیں اگر وہ عزیزوں کے مکتوبات تھے تو یہ رب العزت کے مکتوبات ہیں اور دونوں کے مرتبوں میں کس قدر عظیم الشان فرق ہے۔

اگر انصاف سے دیکھو تو قرآن کا نزول موعظت و ہدایت ہی کے لیے ہوا ہے۔ اس کے الفاظ

فی نفسہ مقصود نہیں ہیں گو ان کو پڑھنا بھی غنیمت ہے لیکن غور کرو اس شخص کے حصہ میں کیا مسلمانی آئے گی جو قرآن مجید کے معانی و مطالب کو نہ سمجھے اور اس شخص کو بھلا کیسے حلاوت مل سکتی ہے جو کہ کلام اللہ کے مضمون ہی سے ناواقف ہو۔

البتہ جن لوگوں کو عربی زبان پر عبور ہے اور انہوں نے اساتذہ سے کتب تفسیر پڑھی ہیں انہیں اس ترجمہ کی احتیاج نہیں ہے مگر اللہ کے فضل سے امید ہے کہ ایسے لوگوں کو بھی اس کے مطالعہ سے فائدہ ہوگا۔ ان کے سامنے قرآن کا مفہوم روشن اور واضح صورت میں آئے گا اور وہ نحو کے مختارات، غریب الفاظ کی شرح اور دوسری باتوں سے مطلع ہوں گے اور انہیں بہت سے ایسے نئے اور تازہ فوائد حاصل ہوں گے جن کو اس کے مطالعہ سے پہلے نہ انھوں نے سنا ہوگا اور نہ دیکھا ہوگا۔

یہ ترجمہ چونکہ جمہور مخلوق کو پیش نظر رکھ کر ان کی شفقت اور ان کے فائدہ کے لیے لکھا گیا ہے اور یہ لوگ اعراب کے مختلف وجوہ، کلام کی مکمل توجیہات اور قصوں کے استیعاب وغیرہ کے متحمل نہیں ہوتے اس لیے ان بحثوں سے تعرض نہیں کیا گیا ہے، رہے وہ لوگ جو علوم آلیہ کے واقف کار ہیں تو ان کو اس کے مطالعہ سے ان علوم میں تعمق کا داعیہ ہوگا اور وہ مدۃ العمران میں مصروف رہیں گے، یہ میرا مشاہدہ ہے کہ جن لوگوں نے تھوڑا بہت علم تفسیر سیکھا ہے ان کے لیے یہ معمولی علم و واقفیت علوم آلیہ میں مکمل دستگاہ کے بعد بھی ممد و معاون ہوتی ہے اور اگر علوم آلیہ میں وہ دستگاہ نہ بھی حاصل کر سکے تب بھی گوہر مقصود ان کے ہاتھ لگے گا اور وہ بالکل ہی خسارہ میں نہیں رہیں گے۔

## ترجمہ میں کن باتوں کی رعایت کی گئی ہے:

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں تحریر کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ ہر آیت کو جدا لکھ کر اس کا ترجمہ اسی کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے اور ترجمہ میں مشہور اور رائج زبان اور روزمرہ محاورہ کا خیال رکھا گیا ہے اور متن کے اصل الفاظ سے جو بات زیادہ ہے اگر وہ دو ہی ایک کلمے کی حد تک ہے تو بیتی یا اسی طرح کے کسی اور لفظ سے اس کو متمیز کر دیا گیا ہے اور اگر کلام تام کا اضافہ کیا گیا ہے تو اس کے شروع میں مترجم گوید اور آخر میں واللہ اعلم کے لفظ سے اسے نشان زد کر دیا گیا ہے۔

جہاں تک ممکن ہوا ہے قرآنی قصوں کے بارے میں ایک دو فقرے لکھ دینے پر اکتفا

کیا گیا ہے، اسبابِ نزول کے متعلق طویل قصوں کا اسی قدر ما حصل پیش کیا گیا ہے جو آیات کے سیاق و سباق کے لحاظ سے ضروری تھا، جن باتوں کا تعلق نقل سے تھا ان کے سلسلہ میں اس کتاب میں محدثین کی صحیح تر تفسیروں سے مدد لی گئی ہے جیسے بخاری، ترمذی اور حاکم کی تفسیریں اور بحد امکان ضعیف و موضوع حدیثوں سے احتراز کیا گیا ہے، علمائے اہل کتاب سے جو اسرائیلی قصے منقول ہیں ان کو اس میں شامل نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نہیں ہیں، سوائے ان جگہوں کے جہاں معنی و مفہوم کی وضاحت قصوں کو نقل کیے بغیر نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ الضرورات تبیح المحظورات

## ترجمہ کے بعض امتیازات :

شاہ صاحب نے دوسرے ترجموں کے مقابلہ میں اپنے ترجمہ کے امتیازات حسب ذیل بتائے ہیں:

۱۔ قرآنی مفہوم کے بقدر ترجمہ میں فارسی کے الفاظ لائے گئے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی مراد و منشا کی وضاحت و لطافت تعبیر کا بھی خیال رکھا گیا ہے، دوسرے ترجموں میں ترجمہ کی عبارت میں جو اطناب، رکاکت، اغلاق اور تعقید پائی جاتی ہے، بقدر امکان ان سے احتراز کیا گیا ہے۔

۲۔ دوسرے ترجموں میں یا تو متعلق قرآن قصوں کو مطلقاً نظر انداز کر دیا گیا ہے یا ان پر طویل اور مفصل بحث کی گئی ہے مگر اس ترجمہ میں درمیانی راستہ اختیار کیا گیا ہے، جس جگہ آیت کا مفہوم قصہ پر موقوف نہیں ہے، اسے ترک کر دیا گیا اور جہاں اس پر منحصر ہے بقدر ضرورت دو تین منتخب الفاظ و کلمات میں ان کی توضیح کر دی گئی ہے۔

۳۔ مختلف اور بکثرت توجیہات میں سے صرف اس توجیہہ کو لے لیا گیا ہے جو عربیت کے لحاظ سے زیادہ قوی اور علم حدیث و فقہ کی رو سے زیادہ صحیح معلوم ہوئی ہے، اس سے بہت کم ہی انحراف کیا گیا ہے۔

۴۔ اس ترجمہ میں ایسا پہلو اختیار کیا گیا ہے کہ نحو سے واقفیت رکھنے والے اعراب قرآن کے وجوہ، محذوف، ضمیر کے مرجع اور ان لفظوں کے محل کو جان لیں جو عبارت میں مقدم و موخر ہو گئے ہیں، لیکن جو لوگ فن نحو سے واقف نہیں ہیں وہ بھی اصل غرض سے محروم نہیں رہیں گے۔

۵۔ قدیم ترجمے دو حالتوں سے خالی نہیں ہیں یا تو وہ تحت اللفظ ہیں یا حاصل المعنی اور ان دونوں

صورتوں کی وجہ سے بہت سے خلل راہ پا گئے ہیں مگر یہ ترجمہ ان دونوں طریقوں کا جامع ہے اور اس میں قدیم ترجموں کے خلل انداز پہلوؤں کو دور کر دیا گیا ہے۔

## وجوہ اعراب :

شاہ صاحب نے بتایا ہے کہ اس ترجمہ سے وجوہ اعراب کا علم ہوتا ہے، اس کے متعلق انہوں نے لکھا ہے کہ یہ تفصیل طلب بحث ہے جس کو اختصار کے ساتھ تین، ساڑھے تین صفحوں میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے میں کیا کیا نزاکتیں ہوتی ہیں، اس سلسلہ میں فعل، فاعل، مفعول، مفعول مطلق، مفعول لہ، مفعول معہ حال، تمیز، حروف ربط وعطف، صلہ، موصول اور تقدیم و تاخیر وغیرہ کے استعمال پر گفتگو کر کے دونوں زبانوں سے مثالیں دی ہیں اور دونوں کے نقطہ اتحاد واختلاف کو واضح کیا ہے۔

اس مقدمہ سے جو اور باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں :

۱۔ شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ کی بنیاد تفسیر وجیز (واحدی) اور جلالین پر رکھی ہے ۔

۲۔ اپنے ترجمہ قرآن کا نام فتح الرحمان بترجمۃ القرآن بتایا ہے۔

۳۔ ترجمہ کے اس حصہ کا نام انہوں نے مقدمہ رکھا ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح عام مصنفین اصل کتاب سے پہلے اپنے کچھ مقاصد بیان کرنے کے لیے مقدمہ لکھتے ہیں، اسی طرح یہ مقدمہ بھی چند مقاصد پر مشتمل ہے۔

۴۔ مقدمہ کے علاوہ انہوں نے ترجمہ کے اصول وقوانین پر بھی ایک رسالہ لکھا تھا جس کا نام اس مقدمہ میں انہوں نے قواعد ترجمہ بتایا ہے۔

## کاتبوں کو وصیت :

پہلے آج کل کی طرح طباعت کی سہولت نہ تھی اس لیے مصنفین کتابوں کے بکثرت نسخے نقل کرا لیتے تھے، شاہ صاحب نے بھی اس کا اہتمام فرمایا تھا اس مقدمہ میں ترجمہ کے سلسلہ میں انہوں نے اس کے کاتبوں کو مندرجہ ذیل وصیت کی تھی:

"قرآن کی عبارت کو جلی حرفوں میں لکھیں، اس پر اعراب دیں اور اسے سرخ روشنائی سے لکھیں تاکہ وہ ترجمہ سے ممتاز اور متمایز رہے اور اس کی احتیاط کریں کہ ترجمہ کے الفاظ سے کسی طرح کی کوئی تحریف راہ نہ پائے، اشتباہ کے موقع پر کلام تام کو سرخ نقطہ دیں تاکہ وہ مابعد سے جدا اور نمایاں رہے اور ترکیب اضافی و توصیفی میں مضاف و موصوف پر بھی زیر کا نشان دے دیں تاکہ مبتدیوں کے لیے یہ چیزیں روشن اور واضح رہیں۔"

اگر ترجمہ میں مبتدیوں کی استعداد کے لحاظ سے مشکل لفظ و مفہوم آگیا ہو تو سعادت مند لوگ اس کے معنی و مطلب کو کتاب کے حاشیہ پر تحریر کر دیں تاکہ کسی شخص کو بھی دشواری نہ ہو۔

## سند قرأت :

آخر میں شاہ صاحب نے از اول تا آخر قرأتِ قرآن کی اپنی سند دی ہے جو بروایت حفص ہے جس کے بعد ہی یہ رسالہ تمام ہو جاتا ہے مگر تمت کے بعد اسی سطر میں تعوذ اور اس کا ترجمہ پہلے پھر بسملہ اور اس کا ترجمہ دیا ہے۔ تعوذ کا ترجمہ "می پناہم بخدا از شیطان راندہ شدہ" اور بسملہ کا ترجمہ یہ ہے می آغازم بنائے خدائے بخشایندہ مہربان۔ مگر اصل ترجمہ میں سورتوں کے شروع میں جہاں بسم اللہ کا لفظ آیا ہے اس کے ترجمہ میں می آغازم نہیں ہے۔ اس میں قابل غور رحمٰن کا ترجمہ بخشایندہ ہے۔

## ضمیمہ :

شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن کا تکملہ ذیل بھی لکھا تھا، یہ بھی بڑا اہم اور مفید ہے جس کے متعلق شاہ صاحب نے بتایا ہے کہ اس میں وہ حواشی درج ہیں جو ترجمہ کے نسخہ کے مسودہ کے حاشیے پر تحریر کیے گئے ہیں، ان کی نوعیت حسب ذیل ہے۔

۱۔ جس توجیہہ پر ترجمہ کی بنا ہے اس کی اس میں بعض جگہ وضاحت و تبیین کی گئی ہے۔

۲۔ بعض حواشی میں ترجمہ میں اختیار کیے گئے تفسیری پہلو کے شاہد و ثبوت کو واضح کیا گیا ہے

۴۔ بعض میں شاہ صاحب کے تفردات و مرجحات کا ذکر ہے۔

حسب اتفاق و موقع یہ حواشی کہیں تو عربی زبان میں تھے اور کہیں فارسی زبان میں جب اس ترجمہ کی تبییض ہو گئی تو بہتر معلوم ہوا کہ اس نسخہ کے ذیل میں اسے لکھ دیا جائے تاکہ ترجمہ کا مطالعہ کرنے والے اس سے بھی مستفید ہو سکیں۔

شاہ صاحب کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اس فصل کی حیثیت اصل ترجمہ کے ذیل اور ضمیمہ کی ہے، مگر یہ مطبوعہ ترجمہ قرآن میں شائع نہیں ہوا ہے۔ اس لیے میرے خیال میں ان کی حیثیت تفسیری نوٹ کی ہے جو غالباً غیر مطبوعہ ہیں، ذیل میں اس کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ الخ (بقرہ: ۱۷۸) کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مدارک میں ہے کہ قصاص مساوات کی تعبیر کے لیے آیا ہے، جمہور مفسرین نے قتلی سے مقتولین اور قاتلین دونوں کو مراد لیا ہے۔ ان لوگوں نے تغلیب کا لحاظ کیا ہے، آیت کا مدلول قاتل و مقتول میں برابری کا اعتبار ہے، اس صورت میں ان کے نزدیک آیت کو منسوخ ہونا چاہیے اس لیے کہ تمام مذاہب میں انثی بالانثی پر عمل نہیں ہے کیونکہ انثی کے مقابلہ میں ذکر بھی ہو سکتا ہے اسی طرح الحر بالحر بھی معمول بہ نہیں ہے کیونکہ حر کے مقابلہ میں عبد بھی ہو سکتا ہے، اس بنا پر بندہ ضعیف اس کی یہ توجیہہ کرتا ہے کہ قتلی سے مراد محض مقتول ہے اور قصاص سے مساوات مراد ہے یعنی ہر مقتول کا حکم دوسرے مقتول کے حکم کے ساتھ برابر ہے الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی کا اضافہ اسی لیے فرمایا کہ مراد مساوات ہر صنف کے فرد کا حکم ہے یا دوسرے فرد کا حکم اسی صنف کے ساتھ ہے۔

فدیۃ طعام مسکین (بقرہ: ۱۸۴) کے متعلق رقم طراز ہیں۔

فقیر اس آیت سے سمجھتا ہے کہ یہاں صدقہ فطر مراد ہے، مفہوم یہ ہوگا کہ یجب علی الذین یطیقون طعام مسکین طعام مسکین مع اہلہ یعنی جو لوگ مسکین کے طعام کی طاقت رکھتے ہوں ان پر مسکین کا طعام مع اہل و عیال واجب ہے۔ یہاں اضمار قبل الذکر ہے۔ اس کی مزید توضیح الفوز الکبیر کے دوسرے باب ناسخ و منسوخ کے سلسلہ میں اس طرح کی ہے۔

"کہا گیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے فمن شھد منکم الشھر الخ سے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت

محکم ہے اور اس میں کوئی حذف نہیں ہے، میرے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ طعام کی طاقت رکھتے ہیں ان پر فدیہ ہے جس سے مراد طعام مسکین ہے، یہاں ضمیر قبل الذکر آئی ہے کیونکہ وہ رتبتاً مقدم ہے اور ضمیر اس لیے لائے ہیں کہ فدیہ سے مراد طعام ہے جس سے مراد ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے، اللہ نے روزے کے حکم کے بعد اس آیت میں صدقہ فطر کا حکم دیا ہے جس طرح اس کے بعد دوسری آیت میں عید کی تکبیرات کا تذکرہ ہے۔

یسئلونك عن الاھلہ (بقرہ: ۸۹) کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

میرے نزدیک ھذہ الاشھر سے مراد اشھر حج ہیں ہلال کو مطلق لانے کی وجہ یہ ہے کہ ہلال مہینہ کے اول کو بھی کہتے ہیں اور آخر کو بھی یہ اسی طرح کا اطلاق ہے جس طرح کا تولیف کا سنہ پر اور جمعہ کا اسبوع (ہفتہ) پر ہوتا ہے، یہی مفہوم لینے پر جواب بغیر کسی تکلف کے سوال پر منطبق ہوجاتا ہے۔

اہلہ کا یہی مفہوم دور حاضر کے مشہور مصنف مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی لیا ہے فرماتے ہیں:

"اہلہ ہلال کی جمع ہے، ہلال شروع ماہ کے چاند کو کہتے ہیں اور اس سے مراد مہینہ بھی ہوتا ہے۔ خاص طور پر جمع کی صورت میں تو اس کا استعمال مہینوں ہی کے لیے معروف ہے اہلہ پر الف لام اس بات کی دلیل ہے کہ سوال کچھ مخصوص مہینوں سے متعلق ہے اور سیاق وسباق پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال اشھر حرم اور ان کے احکام وآداب سے متعلق تھا چنانچہ آگے کی آیات میں اس سوال کے جو جواب دیئے ہیں وہ تمام تر حج اور اشھر حج ہی سے متعلق ہیں"[۳۵]

آگے اس کو بہت مدلل طور سے ثابت کیا ہے

یسئلونك ماذا ینفقون الخ (بقرہ ۲۱۵ و ۲۱۹) یہ دو جگہ آیا ہے، پہلی جگہ انفاق کی نوع کے بارے میں سوال ہے، انفاق میں بھی مصارف کے متنوع ہونے کے لحاظ سے تنوع ہوتا ہے چنانچہ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ما انفقتم من خیر فللوالدین الخ جس کا مطلب یہ ہے کہ خرچ کیے جانے والے مال کے لیے مناسب ہے کہ وہ ان اصناف کے لیے ہو اور دوسری جگہ سوال یہ ہے کہ وہ کس مال

کو خرچ کریں کیا اسے جوان کی ضرورت کے لیے ہے یا اسے جوان کی ضرورت سے زیادہ ہو چنانچہ جواب دیا گیا کہ عفو یعنی حاجات ضروریہ سے زائد ہوں، اس مفہوم کو بیان کرنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ اگر تم تلاش و تفحص سے کام لو تو تفسیروں میں اس آیت کی اس سے بہتر توجیہہ نہیں پاؤ گے۔

وَاِذَا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن (البقرہ: ۲۳۲) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

مفسرین کا مشہور قول یہ ہے کہ طلقتم میں خطاب ازواج سے ہے اور فلا تعضلوھن میں اولیا سے خطاب ہے، یہ مفہوم معقل بن یسار کی ایک حدیث سے ماخوذ ہے مگر بندہ ضعیف کا رجحان اس طرف ہے کہ دونوں جگہ خطاب شوہروں سے ہے، معقل بن یسار نے جو معنی بیان کیے ہیں وہ بطریق منطوق کے بجائے بطریق مفہوم ہے۔

والوالدات یرضعن کے متعلق لکھتے ہیں:

اس سے بندہ ضعیف نے جو کچھ سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ آیت مطلقہ وغیر مطلقہ والدات کے لیے عام ہے۔

سورۂ آل عمران کی آیت واذ اخذ اللہ میثاق النبیّین الخ ( ۸۱ ) کی توجیہہ اس طرح کی ہے:

"واذ اخذ اللہ من بنی آدم المیثاق الذی اخذہ لاجل النبیین، یہ توجیہہ ان کے نزدیک سب سے عمدہ اور تکلف سے خالی ہے، جس طرح اللہ نے بنی آدم سے توحید و عبادت کا میثاق لیا تھا جیسا کہ فرمایا الست بربکم قالوا بلی، اسی طرح ان سے یہ دوسرا میثاق نبیوں کی تصدیق کے لیے لیا تھا، اس قصہ کی بنیاد اللہ کے اس ارشاد فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون پر ہے۔

واذا ضربتم فی الارض الخ (نساء: ۱۰۱) کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ

"ابن عمر کے اثر اور آیتوں کے سیاق کے مطابق صحیح صورت یہ ہے کہ اس سے صلوٰۃ الخوف مراد ہے اور قصر کا مفہوم رکوع و سجود کو اشارہ سے ادا کرنا ہے، سفر کی قید اتفاقی ہے کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے واذا کنت فیھم اس لیے اس کو صلوٰۃ الخوف ہی پر محمول کرنا صحیح ہوگا۔

# حواشی

۱۔ علامہ شبلی نعمانی، علم الکلام، کراچی، ۱۹۶۲ء، ۱/۸۷

۲۔ خواجہ محمد امین کا اصل وطن کشمیر تھا لیکن انھوں نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کو اپنے شیخ سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ ولی اللہی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ یہ شاہ ولی اللہ کے ان چار بڑے خلفاء میں تھے جن سے ان کی تعلیمات کی اشاعت ہوئی۔ شاہ صاحب نے خاص طور پر ان کے لیے بعض رسائل بھی تالیف کیے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے خلف الرشید شاہ عبدالعزیز نے خواجہ محمد امین سے علوم کی تکمیل کی۔ ان کا انتقال ۱۱۸۰ھ یا اس کے قریب ہوا۔

۳۔ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، دار الاشاعت اسلامیہ، لاہور، طبع اول، جلد اول، ص ۲۷،۲۸


## علامہ حمید الدین فراہیؒ ۔ حیات و افکار

(مقالات فراہی سمینار)

مولانا فراہی سمینار (منعقدہ ۸۔۱۰ اپریل ۱۹۹۲ء مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر) میں پیش کیے گئے مقالات کا گراں قدر مجموعہ، جس میں:

- مولانا فراہی کی حیات و علمی خدمات کے مختلف گوشے زیر بحث آئے ہیں۔
- اصول تفسیر، مآخذ تفسیر، نظم قرآن، اقسام قرآن اور قرآنی علوم کے دیگر پہلوؤں پر ان کی تحقیقات و نتائج فکر کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔
- قرآن و حدیث میں تعلق، خلافت الٰہی، بلاغت و معانی، شعر و ادب اور قدیم علوم و فنون کی تدوین نو سے متعلق مولانا فراہی کے خیالات کا تنقیدی جائزہ اور ان کی نگارشات کا تعارف ملتا ہے۔

صفحات: ۵۹۲ آفسیٹ کی عمدہ و روشن طباعت قیمت ۱۵۰ روپے

ملنے کے پتے

دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ (یو۔پی)

ادارہ علوم القرآن، پوسٹ بکس نمبر ۹۹، سر سید نگر، علی گڑھ

۳۰۳، ابو الفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی، ۱۱۰۰۲۵